پروفیسر مجاہد حسین حسینی
ممبرا (ضلع تھانے)

ابن صفیؔ بحیثیت مزاح نگار

برسوں پہلے کی بات ہے۔عروس البلاد، بمبئی میں رہنے والے ہمارے ایک دیرینہ دوست نے جو گشتی لائبریری چلانے کا کافی عملی تجربہ بھی رکھتے تھے، بمبئی میں ایک اور نئی گشتی لائبریری قائم کی۔ اس موقع پر انھوں نے کتابوں کی اہمیت اور مطالعۂ کتب کے جدید ترین طریقوں کے موضوع پر ایک ادبی مذاکرہ منعقد کیا۔۔

اس مذاکرہ میں راقم السطور نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ بقول امریکی مفکر جان رسکن انسان کو محض منتخب کتابیں ہی پڑھنا چاہیے ، اخبار، رسائل اور جاسوسی ناول جیسی، دوئم درجے کی چیزوں پر وقت ضائع کرنا سراسر خلاف عقل ہے۔ دوسرے مقرر (جناب اکرم الہ آبادی) نے جو اتفاق سے کئی پُراسرار ناولوں کے خالق تھے، اپنی برادری کا دفاع کرتے ہوئے کہا : جناب، آپ نے جاسوسی ناولوں کو دوئم درجے کی چیز کیوں سمجھ لیا؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اپنے جاسوسی ناولوں کی مدد سے، کم پڑھے لکھے لوگوں کو اردو پڑھنا سکھاتے ہیں۔

ایک اور فاضل مقرر مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے مناظرانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''ممکن ہے، آپ اپنے ناولوں کے ذریعہ لوگوں کو اُردو پڑھنا سکھاتے ہوں، لیکن خطا معاف، جو جاسوسی ناول نگار (بزبان اہل بمبئی) خود ہی دو چُو پڑی پڑھیلے ہوں (دو کتابیں پڑھے ہوئے ہوں) وہ کسی اور کو اُردو پڑھنا کیا سکھائیں گے۔

اس دلچسپ گفتگو کو سن کر سامعین ہنس پڑے اور بس۔ البتہ سمینار کے اختتام پر میں نے ڈاکٹر فاروقی سے بڑے ادب سے پوچھا : ابن صفی صاحب بھی تو پُراسرار ناول لکھتے ہیں، اُن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فاروقی صاحب، فوراً سنجیدہ ہوکر بولے :

قبلہ، ہم نے بخدا، اُردو اُنھیں سے سیکھی ہے!

ممکن ہے، فاروقی صاحب نے از راہِ عقیدت، ابن صفی کو اپنا اُستاد کہا ہو، مگر مجھے فخر ہے کہ ابن صفیؔ صاحب مرحوم سچ مچ میرے اُستاد تھے۔ ابن صفی کا اصل نام سید اسرار احمد ولد سید صفی احمد تھا۔ جب ماں باپ نے ان کا نام اسرار احمد رکھا تھا تو اُنھیں کیا معلوم تھا کہ بڑا ہوکر اُن کا فرزند اسم بامسمّیٰ ثابت ہوگا۔ اُردو میں پُراسرار ناولوں کا ایک نیا عہد اُسی کے دم سے شروع اور اسی پر ختم ہوگا۔

ابن صفیؔ ۲۶/ جولائی ۱۹۲۸ء کو قصبۂ نارہ ضلع الہ آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ جانشین فصیح الملک نواب مرزا خاں، داغؔ دہلوی یعنی ناخدائے سخن حضرت سید محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی کے بہت ہی قریبی عزیز تھے۔ ابن صفیؔ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد شہر الہ آباد آ گئے اور نوحؔ صاحب کے ذاتی مکان جنت محل (واقع حسن منزل) میں رہنے لگے۔ ڈی، اے، وی انٹرمیڈیٹ کالج سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی سے بی، اے کیا۔ بی ، اے میں اُن کے مضامین انگریزی ادب، اُردو، سائیکولوجی اور فلاسفی تھے۔ ان مضامین کے علاوہ وہ مختلف موضوعات کی کتابیں بھی دیکھتے رہتے تھے۔ مطالعہ اُن کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

ابن صفی صاحب اکثر شعر بھی کہتے تھے اور نثر بھی لکھتے تھے۔

کچھ مدت تک وہ اپنا کلام حضرت نوحؔ ناروی کو دکھاتے رہے مگر یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ نوحؔ صاحب پرانے رنگ کے اُستاد تھے اور ابن صفیؔ ، نئے رنگ کے دل دادہ۔ پھر بھلا آگ اور پانی میں میل کیسے ممکن تھا؟

سنتے بھی تو کیوں سنتے ، اک بزرگ کی باتیں
صبح کو علاقہ کیا ، شام کے فسانے سے؟
(مجروحؔ سلطان پوری)

قیام الہ آباد کے دوران، ابن صفی کا تعارف، جناب سید عباس حیدر حسینی سے ہوا جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر ماہ نامۂ ''نکہت'' نکالا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ محلّہ حسن منزل میں ''نکہت کلب'' کے نام سے ایک ادارہ وجود میں آگیا۔ اس کلب میں عباس حسینی، جمال رضوی (عرف شکیل جمالی)، ابن صفیؔ، راہیؔ معصوم رضا عرف شاہد اختر، ابن سعید، شیخ الہ آبادی (مصطفےٰ زیدی)، محمد احمد نازشؔ پرتاپ گڑھی، مسعود اختر جمال، احمد مجتبیٰ، وامقؔ جونپوری اور بہت سے دوسرے نوجوان شاعر و ادیب جمع تھے۔ ان سب کی کوششوں سے ماہ نامۂ ''نکہت'' میں چار چاند لگ گئے۔

اس دور میں رسالۂ 'نکہت' میں ابن صفی، اُسرار ناروی کے نام سے اپنی نظمیں چھپواتے تھے اور طغرل فرغان کے قلمی نام سے نثر میں مزاحیہ خاکے بھی لکھا کرتے تھے۔ اُن میں ظرافت کا مادّہ قدرت نے بطور خاص ودیعت فرمایا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ''نکہت کلب'' ختم ہوگیا اور ماہ نامہ نکہت نے رسالہ کے بجائے کتاب کی شکل اختیار کرلی۔ شروع شروع میں نکہت میں افسانے، نظمیں، غزلیں اور ادبی خبریں ہوا کرتی تھیں۔ آگے چل کر نکہت کے دو ایڈیشن نکلنے لگے۔ ایک کا نام ''جاسوسی دنیا'' رکھا گیا اور دوسرے کا ''رومانی دنیا''۔ یہ طے پایا کہ اسرار ناروی، ابن صفی کے قلمی نام سے ہر ماہ جاسوسی دنیا کے لیے پُرسرار کہانیاں لکھیں گے۔ بہت ہی قلیل مدت میں جاسوسی دنیا اور ابن صفی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بن گئے۔ جاسوسی دنیا کی اشاعت برق رفتاری سے بڑھنے لگی اور اب وہ رسالہ بہ یک وقت اُردو کے علاوہ دیوناگری اور بنگلہ رسم الخط میں بھی چھپنے لگا۔ ان ناولوں کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا، شاید انھیں تراجم کو پڑھ کر اس صدی کی بے حد مقبول اور عالم گیر شہرت یافتہ جاسوسی ناولوں کی مصنفہ اگاتھا کرسٹی (AGATHA CRISTIE) نے کہا تھا:

''ابن صفی ایشیا کا سب سے کامیاب پُراسرار ناول نگار ہے''۔

یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ ابن صفی کی مخالفت کے باوجود ان کے احباب نے ان کے نام کے ساتھ بی اے لکھنا شروع کردیا (جو بہت جلد اُن کے نام کا جزو لاینفک بن گیا) جیسے کسی زمانے میں ماہ نامہ ''نیرنگ خیال'' لاہور کے شبلی بی کام کا تصور بغیر بی کام کے ناممکن تھا۔ بالکل اسی طرح ابن صفی کے ساتھ بی، اے کا لاحقہ لازمی سمجھا جانے لگا۔

میرے والد مرحوم انگریزوں کے فارن پوسٹ ڈپارٹمنٹ میں ملازم تھے، اسی لیے میرا قیام ۱۹۳۵ء سے شہر بمبئی میں تھا۔ ویسے وطن مالوف شہر الہ آباد (یو، پی) تھا۔ اعزہ سے ملنے اکثر الہ آباد جایا کرتا تھا۔ والدہ کی طویل علالت کی وجہ سے ۱۹۵۱ء میں بمبئی سے الہ آباد پہنچا تو تقریباً سال ڈیڑھ سال وہاں قیام کرنا پڑا۔ یادگار حسینی ہائر سکنڈری اسکول کی دسویں کلاس میں میرا داخلہ ہوگیا۔ میری خوش نصیبی سے اس وقت ابن صفی صاحب میرے کلاس ٹیچر تھے۔ وہ اُردو پڑھاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز بڑا ہی من موہک اور نرالا تھا۔ اشعار کی تشریح کچھ اس طرح کرتے تھے کہ زیر بحث شعر کے تمام فنی محاسن اَلَم نَشْرح ہوجاتے۔ اکثر ضمنی طور پر لطیفے بھی سناتے جاتے تھے۔ بعض اوقات اُن کے لطیفے اور طنز آمیز جملے بہت مزہ دیتے تھے اور کلاس زعفران زار بن جاتی تھی۔

ایک دن کی بات ہے۔ ابن صفی صاحب، میر تقی میرؔ کی ایک مشہور غزل پڑھ کر سمجھا رہے تھے۔ اس غزل کا ایک شعر تھا

بار بار اُس گلی میں جاتا ہوں
حالت اک اضطراب کی سی ہے!

اُستاد معظم نے یہ شعر کچھ ایسے لہجہ میں پڑھا اور اُس میں پوشیدہ نفسیاتی نکتوں کو یوں واضح کیا کہ مزہ آ گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ کلاس میں سبھی شاگرد تو سنجیدہ، ذہین، شوقین اور سعادت مند نہیں ہوا کرتے۔ ایک شریر لڑکا (جس کا نام ضَرغام حسین تھا) اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

''سر! شعر کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔''

ابن صفی صاحب نے ایک بار پھر شعر کی وضاحت کی لیکن اُدھر مرغے کی وہی ایک ٹانگ۔

لڑکے نے کہا: ''سر، میں اس کو بالکل نہیں سمجھ سکا''۔ اب ابن صفی صاحب کی رگ ظرافت پھڑک اُٹھی۔ مسکرا کر فرمایا: بیٹھ جایئے، آپ ابھی اُردو شاعری کے لیے نابالغ ہیں!! اُن کے اس ریمارک پر کلاس میں ہنسی کا جو طوفان اُٹھا تھا، وہ بیان سے باہر ہے۔

ڈی، اے، وی انٹر کالج (الہ آباد) میں ابن صفی صاحب کے ساتھ میرے چھوٹے چچا، محمد رضا صاحب بھی پڑھتے تھے۔ ان کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ کالج کے کسی جلسے میں الہ آباد یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد حفیظ سید مرحوم تشریف لائے تھے۔ وہ ''فارغ البال'' تھے یعنی اس طرح گنجے تھے کہ پیشانی اور سر میں کوئی حد فاصل نہ تھی۔ البتہ سر کے پچھلے حصہ سے گردن تک گھنے بالوں کا گچھا سا نظر آتا تھا۔ ابن صفی نے سرگوشی کے انداز میں ریمارک کرتے ہوئے فرمایا:

''یار رضا! دیکھتے ہو۔ لوگوں کے آگے ڈاڑھی ہوتی ہے۔ اِن حضرت کے پیچھے ڈاڑھی ہے!!''

مذکورۂ بالا مثالوں سے ابن صفی صاحب کی زندہ دلی اور جولانی طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظرافت کا مادّہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اکثر ان کی گفتگو اور تحریروں میں پطرس مرحوم کا رنگ جھلکنے لگتا تھا۔ مثال کے طور پر اُن کے ایک مضمون کے چند جملے میری یادداشت کے کسی گوشے میں اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ مضمون ماہ نامہ ''نکہت'' میں شائع ہوا تھا۔ مضمون کچھ ادب لطیف ٹائپ کا تھا جس میں ایک عاشق نامراد اپنی محبوبہ کو مخاطب کر کے خط لکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''میرے خوابوں کی ملکہ-! دیکھو میں تمہارے بغیر کتنا اَدھورا ہوں۔ کتنا اُداس ہوں - رات، آدھی سے زیادہ بیت چُکی ہے۔ چاند کا منہ اُتر گیا ہے۔ ستاروں کی روشنی رفتہ رفتہ مدھم ہوتی جاتی ہے۔ ہواؤں میں نوحوں کی دُھن سنائی دیتی ہے۔ اب آ بھی جاؤ۔ دیکھو تو، سُپیدۂ سحر نمودار ہو چلا۔ چڑیاں چہچہانے لگیں۔ کوؤں نے کائیں کائیں شروع کر دی۔ ندی کنارے، دھوبی کے گدھے، ڈھیچوں، ڈھیچوں کرنے لگے۔ خدارا، اب آ بھی جاؤ۔ کچھ ہی دیر بعد، رات کی رُومانویت دم توڑ دے گی۔ دھوپ نکل آئے گی۔ محبت کا دم نکل جائے گا۔ آنا ہے تو بس اب آ بھی جاؤ۔ آتی ہو یا پھر ڈنڈا لے کر آؤں؟''

اس اقتباس سے نثر نگاری میں ابن صفی کی اُٹھان کا پتہ چلتا ہے۔ آگے چل کر جب ہم اُن کے لکھے ہوئے جاسوسی ناول پڑھتے ہیں تو ان کی نثر کے جوہر خوب کُھلتے ہیں۔ بازاری قسم کے ہزاروں پُراسرار ناولوں کی طرح یہ محض قتل وخون اور سراغ رسانی کی سنسنی خیز وارداتیں نہیں بلکہ ان میں گہری تخلیقی ریاضت، منطقی تسلسل، لطف زباں، طنز کی نشتریت، مزاح کی پھلجھڑیاں اور ان سب سے بڑھ کر ''قصہ پن'' کی خصوصیات ملتی ہیں۔ بھرتی کے واقعات، خواہ مخواہ کے تحیّر، محیّر العقول باتوں، بے مقصد تفصیل اور ڈھیر سارے کرداروں سے اجتناب کیا گیا ہے۔

ابن صفی کے یہاں چند مخصوص کردار ہیں جن کو اپنے قلم کے جادو سے اُنھوں نے لازوال اور ہر دلعزیز بنا دیا ہے۔ کرنل احمد کمال فریدی، اُن کا پسندیدہ کردار ہے لیکن اگلے وقتوں کے داستانی ہیروز کی طرح وہ مثالی اور بے عیب قطعاً نہیں ہے۔ وہ ہزاروں مثبت ومنفی انسانی صفات کا حامل ہے۔ اس کو غصہ بھی آتا ہے اور پیار بھی۔ اُس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور کمالات بھی۔ وہ سوچنے کے لیے سگار پیتا ہے اور سکون کے لیے کافی۔ وہ سانپ بھی پالتا ہے اور کُتّے بھی۔ ورزش بھی کرتا ہے اور یوگا آسن

بھی۔ اُسے کئی زبانیں آتی ہیں اور عمل تنویم (HYPNOTISM) میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ وہ مختلف زہروں کی ماہیت و استعمال سے بھی بخوبی واقف ہے اور سانس روکنے پر بھی حیرت انگیز قدرت رکھتا ہے۔ وہ خوش اخلاق بھی ہے اور جلّاد بھی۔ شراب اور عورت سے کوسوں دور بھاگتا ہے مگر اپنے سینے میں نرم گوشے بھی رکھتا ہے۔ اس میں حد سے زیادہ قوت برداشت پائی جاتی ہے اور اس کی آنکھ میں مقناطیسی کشش ہے۔ جدید ترین سائنسی مشینوں کی کارکردگی کا علم بھی رکھتا ہے اور سوسائٹی کے ہر شعبہ میں اس کی عزت کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ فریدی خود ابن صفی ہے۔ وہ مصنف کے خوابوں کی تصویر بھی ہے اور ان کی تعبیر و تشریح بھی۔ فریدی وہ بھی ہے جو ابن صفی تھے اور وہ بھی ہے جو شاید ابن صفی بننا چاہتے تھے اور نہ بن سکے۔

فریدی کا اسسٹنٹ سرجنٹ ساجد حمید اپنا الگ ہی مزاج اور رنگ رکھتا ہے۔ وہ ایک لاابالی سا نوجوان ہے جو کھلنڈرا بھی ہے اور باتونی بھی۔ وہ عورتوں کی کمپنی کا عاشق ہے اور تفریح کا شائق بھی لیکن فریدی کا لاڈلا اور دست راست ہے۔ حمید میں درحقیقت ابن صفی نے کرنل فریدی کی تکمیل ذات کی کوشش کی ہے۔ حمید، فریدی کی کم سخن اور سنجیدگی کی بڑی حد تک تلافی کر دیتا ہے اور اس طرح قاری کو ''یکسانیت'' (MONOTONY) کے دردسر سے بچالیتا ہے۔

علی عمران ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، گراں ڈیل قاسم اور دوسرے ثانوی کردار اپنا الگ وجود رکھتے ہیں۔ ابن صفی کی تحریروں میں یوں تو درجنوں قابل ذکر گوشے نظر آتے ہیں لیکن ''مزاح کا گوشہ'' غیر معمولی صفات کا حامل ہے۔

آرٹ کے موضوع پر حمید کی زبان سے کچھ دلچسپ مکالمے ادا کردیئے گئے ہیں مثلاً:

''جب تمہارا نام شیریں بانو تھا تو تم نے آشا کیوں اختیار کیا۔؟

''اوہ۔ وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ تم سمجھتے نہیں۔ فن کار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ فن ہی اُس کا مذہب ہے۔ وہ نہ ہندو ہوتا ہے اور نہ مسلمان''۔

''یہی منطق تو سمجھ میں نہیں آئی کہ تم دراصل مسلمان ہو اور لوگ تمہیں ہندو سمجھتے ہیں، کمل کمار بھی مسلمان ہی تھا۔ غالباً پیر بخش نام تھا لیکن ہندو سمجھا جاتا تھا۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب فن کار کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا تو وہ ایسے نام کیوں نہیں اختیار کرتا کہ نام سے اُس کے مذہب کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ اس سلسلے میں ''مِر دَنگ'' کا نام مجھے پسند ہے۔ اسی طرح تمہیں چاہئے کہ تم اپنا نام ''سارنگی''، ڈُگڈگی، یا ''ڈھولک'' رکھتیں اور کمل کمار ''تانپورہ''۔ ''مجیرا'' یا ''ڈمرو'' جیسا کوئی نام اختیار کرتا''۔

(ستاروں کی موت، ص: ۱۰۰)

''حقیقت حُسن'' پر فریدی اور حمید کے مابین حسب ذیل مکالمہ، فلسفۂ جمال کی ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے:

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''یہی، کہ حُسن محض بکواس ہے۔ جس چیز کے معیار کا کوئی تعین ہی نہ ہو اس کا تذکرہ ہی فضول سمجھتا ہوں۔''

''ہز ہارڈ شپ (HIS HARDSHIP) والیِ ریگستان کی رائے درست معلوم ہوتی ہے مگر اس طرح تو زندگی ممکن نہیں۔''

''تو کیا میں مرگیا ہوں؟''

''قطعی، جس کا احساس حُسن فنا ہو جائے، اُسے میں مُردہ ہی سمجھتا ہوں۔''

حمید بولا۔ ''تب تو، تم یقین جانو! میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آئر ڈیل ٹیئر رکٹیا کے پلّے بڑے حسین معلوم ہوتے ہیں''۔[1]

میری نظر سے کم از کم اُردو کا کوئی پُراسرار ناول آج تک ایسا نہیں گزرا جس میں شعر و ادب پر مزاحیہ انداز میں اس طرح تنقید کی گئی ہو۔

---

[1] تاریک رائے: ص ۱۳

''اُستاد محبوب نرالے عالم-! شاعر کس پائے کے ہوں گے، یہ تو تخلص ہی سے ظاہر ہوتا تھا۔ اتنا لمبا چوڑا تخلص، شاید ہی کسی

مائی کے لعل کو نصیب ہوا ہو۔ محبوب نرالے عالم۔ اُستاد کا قول تھا کہ بڑا شاعر وہی ہے جس کے یہاں انفرادیت بے تحاشہ پائی جاتی ہو۔ لہذا، اُن کا کہا ہوا ہمیشہ بے وزن ہوتا تھا۔ فرماتے تھے:

''وزن تو سبھی کی شاعری میں ہوتا ہے لہذا میری ''بے وزنی'' ہی میری انفرادیت ہے اور اس طرح مجھے بہت بڑا شاعر تسلیم کیا جانا چاہئے''۔[1]

اپنے ایک اور ناول میں ابن صفی طنز و مزاح کی چاشنی دے کر تنقید شعر و ادب کے زہریلے تیر اس طرح چلاتے ہیں:

''کون شاعر پسند ہے آپ کو؟'' حمید نے سائرہ سے کہا۔

''ہر وہ شاعر، جو خالص شاعری کرتا ہو۔ سیاسیات، اخلاقیات یا فلسفہ پر بور نہ کرتا ہو۔''

''ابھی تو آپ اخلاقیات ہی سے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں۔''

''نثر میں ہر چیز کا اپنا الگ مقام ہوتا ہے۔ ہیر آئیل میں بال سیاہ کرنے کی ادویات بلاشبہ ملائی جاسکتی ہیں لیکن ملیریا یا ٹائیفائیڈ کی دوائیں ہرگز نہیں ملائی جاسکتیں۔ ملائی بھی گئیں تو بے مصرف ثابت ہوں گی''۔[2]

ایک اور مضحکہ خیز منظر کی تصویر کشی ملاحظہ فرمائیں:

''آج اتوار تھا اور فریدی کے ملازمین قریب ہی کے ایک کمرے میں ریڈیو پر دیہاتی پروگرام سن رہے تھے۔ ٹھیک اُسی وقت اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ ابھی آپ دھوبیوں کے گیت سُن رہے تھے۔ اب ایک ضروری اعلان سنئے - اعلان ختم ہوجانے کے بعد، پھر پروگرام شروع ہوگیا۔ اس بار چماروں کا ناچ نشر ہو رہا تھا''۔ (ہولناک ویرانے ص ۲۸)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اُستاد مکرم، جناب ابن صفی کو ظرافت اور اختراع پردازی کی صلاحیت بطور خاص عنایت فرمائی تھی۔ حافظہ بھی بَلا کا پایا تھا۔ معمولی سے معمولی واقعے کو اتنے پُرلطف طریقے پر بیان کرتے تھے کہ وہ ایک مکمل لطیفہ معلوم ہونے لگتا تھا۔

ایک دن گائے کا تذکرہ نکلا۔ فرمانے لگے کہ محض ہندو بھائیوں کی مذہبی کتابوں میں ہی گائے کا ذکر نہیں ملتا بلکہ مسلمانوں کے مقدس قرآن پاک میں بھی گائے کا ذکر ہے۔

رفتہ رفتہ یہ سنجیدہ گفتگو ظرافت کا رنگ اختیار کرنے لگی۔ فرمانے لگے:

''بہت ممکن ہے آپ لوگوں نے اسی ضمن میں ایک واقعہ سنا ہو۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کو بالکل نئی بات سوجھی۔ اُنھوں نے اس بات پر تحقیق شروع کردی کہ دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی مذہبی کتابوں میں چرند، پرند اور کیڑے مکوڑوں کے بارے کیا لکھا ہے؟ یہ محقق صاحب اتفاق سے غیر مسلم تھے اور عربی سے بھی نابلد تھے۔ کسی مسلمان دوست نے اُنھیں سورہ البقرہ پڑھ کر سنایا اور اُس کے ترجمہ و تفسیر سے بھی آگہی بخشی۔ ظاہر ہے کہ یہ سورۃ کافی طویل ہے۔ ترجمہ و تفسیر بیان کرنے میں اور بھی دیر لگی۔ اس کے بعد صاحب موصوف نے فرمایا: اب میں آپ کو ''سورہ فیل'' یعنی ہاتھی کا سورۃ سناتا ہوں جو قرآن مجید کے آخری پارہ ۳۰ (عَمّ یتسائلون) میں ہے۔ ان صاحب نے گھبرا کر کہا۔ بھائی جان، ہاتھی والا سورۃ پھر کبھی۔ اتنے بڑے جانور کا حال سننے کے لیے ابھی تو میرے پاس وقت ہی نہیں ہے''۔

ہم سب شاگرد، اُستاد کے انداز بیان پر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ آپ کہیں گے کہ لطیفہ شاید ختم ہوچکا ہوگا مگر توبہ کیجئے۔ ابن صفی صاحب کا بیانیہ (NARRATION) اُتنا ہی دلچسپ ہوتا تھا جتنی کہ اُن کی تحریریں۔۔

ایک گلاس پانی پی کر اس داستان لذیذ کو انھوں نے درازتر کرنا شروع کردیا۔ فرمانے لگے:

''مجاہد صاحب! آپ تو بمبئی میں رہتے ہیں نا؟ میں بھی

---

[1] گھر کا بھیدی: ص ۵۲/۵۱

[2] خونی جھیل: ص ۲۲

ایک مرتبہ بمبئی جاچکا ہوں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں گرانٹ روڈ گیا۔ وہاں سے مجھے اوپیرا ہاؤس کی طرف جانا تھا۔ میں نے سوچا کہ بس پکڑلوں۔ اب جو بس اڈہ پر جا کر دیکھا تو مسافروں کی بڑی لمبی قطاریں تھیں۔ کئی بسیں آئیں اور نکل گئیں لیکن جناب، قطار ہے کہ آگے بڑھتی ہی نہیں۔ جس سے پوچھو۔ آگے کیوں نہیں جاتے؟ بس یہی جواب ملتا ہے: اَیسُن کو کھبر نہیں!! عاجز آ کر میں قطار میں سے نکلا اور آگے تک دیکھتا چلا گیا۔ ایک دم آگے جا کر حقیقت حال معلوم ہوئی۔ جہاں سے ''کیو'' شروع ہوتا تھا وہاں سب سے آگے دو گائیں کھڑی تھیں۔ بھلا کیوں کر ممکن تھا کہ لوگ اپنی ماں کو راستے سے ہٹا کر، خود بس میں سوار ہو جاتے''؟

یہ سچی کہانی سن کر ہم سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والی دو نوجوان لڑکیاں بلقیس اور شاہدہ کسی بات پر علی عمران سے اُلجھ جاتی ہیں۔ شاہدہ تلخ لہجے میں بولی:

''میں آپ کا جغرافیہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

''جغرافیہ کے چند موٹے موٹے اصول یاد رکھئے تو یہ دشواری کبھی نہ پیش آئے''۔

عمران نے ہمہ تن خوش اخلاق بنتے ہوئے کہا:

''میں چوں کہ خط استوا سے کافی فاصلے پر واقع ہوا ہوں..... اس لیے سال بھر ٹھنڈا رہتا ہوں اور میری اَپر چیمبر چوں کہ سطح سمندر سے زیادہ اونچی نہیں ہے اس لیے وہاں برف جمنے کا امکان کم رہتا ہے۔ باپ موجود ہے لیکن صورت سے یتیم معلوم ہوتا ہوگا۔ ویسے میں اتنا کام چور ہوں کہ مجھے حقیقتاً بحرالکاہل میں واقع ہونا چاہئے تھا۔ اب آپ بتائیے کہ ڈول ڈرم (Doldrum) کسے کہتے ہیں''۔[1]

---

[1] آہنی دروازہ: ص ۶۰

ابن صفی صاحب کے اصل جوہر پاکستان جا کر کُھلے۔ وہاں انھوں نے کراچی کی فردوس کالونی میں ذاتی مکان بنوالیا۔ دوسری شادی کی، اندھا دُھند پڑھا اور اندھا دھند لکھا۔ وہ چینیوں کے اس قول کے قائل تھے کہ

جو شخص تین دن تک کوئی نئی کتاب نہیں پڑھتا اُس کی باتوں میں پھیکا پن آجاتا ہے۔

آخر کار شب و روز کی محنت شاقہ رنگ لائی اور اُن پر جنونی کیفیت طاری ہونے لگی۔ بے ہوشی کے دَورے بھی پڑنے لگے۔ پھر وہ چُپ چُپ رہنے لگے۔ دوستوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دیا۔ بالآخر ۲۶/ جولائی ۱۹۸۰ء کو دل کے شدید دورے نے اس سرچشمۂ نور بصرت کو ہم سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔۔

☆

ابن صفی کے فرزند کا دورۂ ہند

نئی دہلی: جاسوسی ناولوں کے خالق ابن صفی کے فرزند احمد صفی نے وطن واپسی کے موقع پر کہا ہے کہ وہ یہ حسرت لے کر پاکستان واپس جارہے ہیں کہ وہ اپنے والد کے آبائی وطن الہ آباد نہیں جاسکے میری یہ خواہش تھی کہ میں بھی اس سرزمین کو دیکھوں جہاں میرے والد ابن صفی نے اپنا ادبی سفر شروع کیا تھا اور اپنے جاسوسی ناولوں کی بدولت برصغیر ہند پاکستان مے ں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ احمد صفی ہندوستان کے چھ روزہ دورے پر آئے ہوئے تھے لیکن وہ اپنے والد کے آبائی وطن نہیں جاسکے کیوں کہ انہیں وہاں کا دورہ کرنے کے لیے ویزا نہیں دیا گیا تھا وہ دہلی میں نامور صحافی ضیا رضوی کے گھر پر ٹھہرے تھے جنہوں نے ان کے والد اسرار احمد ابن صفی کو جاسوسی ناول لکھنے کا مشورہ دیا تھا احمد صفی نے کہا کہ اپنے دورے کے دوران انہوں نے نامور نقاد ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر شاہد اور کئی دوسرے اسکالروں اور ادیبوں سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اس بات پر خوشی ہے کہ آج بھی لوگ اسی دلچسپی سے ان کے والد کی جاسوسی تخلیقات اور جاسوسی دنیا و عمران سیریز کو پڑھتے ہیں۔۔

زندہ دلانِ حیدرآباد کا ترجمان

اشاعت کا ۴۴ واں سال

ماہنامہ

حیدرآباد

جلد ۴۵ | اپریل ۲۰۱۲ | شمارہ ۴

ایڈیٹر: ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال

ایڈیٹر اوورسیز: علیم خاں فلکی

اوورسیز کمیٹی

عبدالرحمٰن سلیم (ریاض)

شجاع عاطف (آسٹریلیا)

محمد عمران خاں (ابوظہبی)

مجلس مشاورت

نریندر لوتھر

ایم۔اے۔باسط، آئی پی ایس

سید انوار الہدیٰ، آئی پی ایس

پدم شری مجتبیٰ حسین

ڈاکٹر محمد علی رفعت، آئی اے ایس

مجلس ادارت

حمایت اللہ

ڈاکٹر حبیب ضیا

محمد عمران اعظمی

ڈاکٹر نسیم الدین فریس

قیمت فی پرچہ ۲۰ روپے

زرسالانہ: ۲۵۰ روپے

کمپیوٹر کتابت: SAM کمپیوٹرس، مغل پورہ

شگوفہ انٹرنیٹ پر

www.shugoofa.com

لائبریریوں سے: ۳۰۰ روپے

بیرونی ممالک سے ۳۵ امریکن ڈالر

پرنٹر پبلیشر وایڈیٹر سید مصطفیٰ کمال نے دائرہ پریس چھتہ بازار میں طبع کر کے 10-4-771/82/A/1، اویسی پورہ، ماتصاحب ٹینک، حیدرآباد۔500028 سے جاری کیا۔

سب آفس: ۳۱ پیپلز کوارٹرز، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد۔500001

فون: (آفس) 24745716 (رہائش) 23326185 موبائل 9885202364

E-mail: samurdu@yahoo.com